علامہ اقبال اور خلافتِ عثمانیہ

ڈاکٹر محمد عابد ندیم

انیسویں صدی کا اختتام اور بیسویں صدی کا آغاز مسلم دنیا کے انحطاط کا دور ہے۔ اس عہد میں قریباً تمام مسلم دنیا سیاسی طور پر مغلوب ہوگئی تھی۔ خلافت عثمانیہ جو کہ مسلم اتحاد کی علامت اور مسلم تاریخی روایت کا تسلسل تھی اور مسلم دنیا اس کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی بھی رکھتی تھی، اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ تاریخ کے اس پر آشوب دور کا درد ہر حساس طبیعت میں موجود اور ہر دردمند کے کلام سے ظاہر تھا۔ ترکی اگر جنگ کی آگ میں نہ بھی کودتا تو دنیا جان چکی تھی کہ اس ''مردِ بیمار'' میں عظمت وقوت کے اعتبار سے ماضی جیسا دم خم نہیں ہے۔ وہ ترک جو پانچ سو سال تک اسلامی پرچم تھامے مسلم عظمت کا نشان تھے، اب سرافگندہ ہو چکے تھے۔ عسکری حوالوں کے علاوہ ترکی اپنی فکری اور اعتقادی طاقت بھی کھو چکا تھا۔ جن مغربی قوموں کا سر اس نے ان کی سرحدوں کے اندر جا کر کچلا تھا، اب وہی قومیں اس کے خلاف صف آرا ہو کر سازشوں کے ذریعے نئی نسل کو اس کے فکری سرمائے سے دور کر رہی تھیں۔ ترک ایک جنگجو قوم تھی، صدیوں تک میدان جنگ میں دادِ شجاعت پاتی رہی۔ لیکن ابن خلدون نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''مقدمہ ابن خلدون'' میں یہ نظریہ پیش کیا تھا:

حکومتوں کی بھی افراد کی طرح ایک طبعی عمر ہوتی ہے۔[1]

شاید عثمانی خلافت بھی اپنی طبعی عمر پوری کر چکی تھی۔ مسلمانانِ عالم کی ترکی سے جذباتی وابستگی اس وجہ سے بھی تھی کہ عثمانی خلافت ان کے دین سے جڑی ہوئی ایک سیاسی روایت تھی۔ اس روایت کا خاتمہ سیاست کے دین سے تعلق کا خاتمہ سمجھا گیا تھا۔

ترکی کی عملداری میں واقع عیسائی مشنری اور تعلیمی اداروں نے عرب نوجوانوں کے اندر عرب قومیت کا جذبہ ابھارا اور انہیں خلافت کے خلاف جذباتی، فکری اور عملی طور پر صف آرا کر دیا تھا۔ اسی طرح عیسائی اور یہودی خفیہ تنظیموں نے ترک نوجوان نسل کو تورانی قومیت کے جادو میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایسی صورتحال میں اقبال جیسے حساس ذہن کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مضطرب نہ ہو۔ اقبال اس صورتحال میں ملت اسلامیہ کو اتحاد و

یگانگت کا درس ان الفاظ میں دیتے ہیں:

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی[۲]

یہ وہ دور تھا کہ قریباً سارا عالم اسلام اس وقت استبدادی قوتوں کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ تصور ذہنوں میں بٹھا دیا گیا تھا کہ اسلام کا نہ ریاست وسیاست سے کوئی تعلق ہے، نہ معیشت اس کے دائرے میں آتی ہے اور نہ تہذیب وتمدن اس کا موضوع ہے۔ بطور احسان بس نماز، روزے، حج وعمرے کی آزادی تھی۔ گویا اسلام اس پنچھی کی مانند تھا جس کے پر کاٹ کر اسے اڑنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو۔

علامہ اقبال نے اس خودفریبی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد[۳]

علامہ محمد اقبال نے اپنی نظموں میں متعدد مقامات پر خلافت اور مسلمانوں کے زوال پر بات کی ہے۔ خضر راہ اور جوابِ خضر کے آخری بند دنیائے اسلام سے متعلق ہیں۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام شعائر اور میراث کو عیسائی دنیا نے اپنا لیا مثلاً انہوں نے روایت پسندی کی جگہ تخلیقی انداز کو اپنایا، اندھی تقلید کی جگہ اجتہاد سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہو گئے اور مسلمان پستی کی عمیق گہرائیوں میں دھنستے چلے گئے۔

وہ ترک جو عظیم سلطنت کے مالک تھے، جو بادشاہ تھے وہ پوری دنیا میں رُسوا ہو گئے تھے، خلافت کا تاج ان کے سر سے اُتر چکا تھا۔ اس سانحے کے وقوع میں کچھ تو مغرب کی عیاری اور سیاسی چالبازی کا کمال تھا لیکن اس کا بڑا سبب مسلمانوں کے ترکِ مذہب اور اسلامی شعائر سے دوری تھی۔

علامہ اقبال مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے مصائب وآلام کا مداوا ملتِ اسلامیہ کے اتحاد واتفاق میں مضمر ہے۔ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ذلت کے اندھیروں سے نکل آئیں تو انہیں آپس میں باہمی ربط وضبط پیدا کرنا ہوگا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے[۴]

علامہ اقبال اُمت مسلمہ کے حالات پر ہر دم نظر رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی زبوں حالی سے بخوبی واقف ہوں۔ مسلمانوں کی حماقت کا یہ نتیجہ نکلا کہ مراکش، الجیریا، تیونس، طرابلس، مصر، شام، فلسطین، عراق اور ہندوستان، سارے اسلامی ممالک عیسائی اقوام کے غلام بن گئے اور خود حجاز کی سرزمین عربوں کی کوتاہ بینی کی بدولت کلیسا کے زیر اثر آ گئی۔ ان جذبات کو علامہ اقبال اپنی نظم

''خضرِ راہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز[۵]

عالم اسلام کی اس ناگفتہ بہ حالت کے باوجود علامہ محمد اقبال مایوس نہیں ہوتے۔ اپنے مرشد رومی کے قول کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں:

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند[۶]

اقبال نہ صرف یہ کہ زوال کے اسباب کو بیان کرتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوبارہ اوجِ ثریا پانے کی ترکیب بھی بتاتے ہیں۔ ملت کو جگاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس تباہی کے بعد بھی اگر امت اپنے زوال کے اسباب سے آگاہ ہوکر دوبارہ عروج کے لیے کوشاں ہوجائے تو یہی نویدِ صبح نو ہے:

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کردست غافل در نگر[۷]

اقبال نے اپنے اشعار میں سب سے زیادہ جس بات کی تاکید کی ہے، وہ وحدتِ ملی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے، مسلمان غلام بن گئے ہیں۔ اب اگر مسلمانوں نے غلامی سے نجات حاصل کرنی ہے اور ایشیا کے مسلمانوں نے اپنا مقام دوبارہ حاصل کرنا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ آپس میں متحد ہوجائیں، اسی میں ان کی سلامتی ہے۔ اسی بات کو اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے:

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر[۸]

علامہ اقبال زوال امت کا سبب باہمی نا اتفاقی کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی نسل کو اپنے دین پر مقدم کریں گے تو وہ رفتہ رفتہ دنیا سے ختم ہوتے چلے جائیں گے اور جو مسلمان رنگ و خون کا امتیاز تسلیم کرے گا وہ مٹ جائے گا خواہ وہ ترک ہو، عرب ہو، ایرانی ہو یا افغانی۔ ملت اسلامیہ کو اس طرزِ عمل پر اس طرح خبردار کرتے ہیں:

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر[9]

وحدتِ ملی ہی کے حصول کے لیے اقبال مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ علاقائی اور گروہی سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں منہمک ہو جائیں۔ جس ملک و دولت کے حصول کے لیے وہ بیتاب ہیں، وہ اسلام کی اشاعت کا ایک ادنیٰ ثمر ہے۔ اگر مسلمان اپنے حرم و دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو نیل یعنی افریقہ سے لے کر کاشغر یعنی چین تک انہیں اپنے آپس کے اختلافات کو بھلا کر ایک ہونا پڑے گا اور اسی میں ملت اسلامیہ کی نجات ہے۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر[10]

اقبال عثمانی ترکوں کی دینی حمیت کے مداح ہیں، جس کا اظہار ان کی نظم ''محاصرہ ادرنہ'' سے ہوتا ہے، ادرنہ کا شہر مراد اول کے عہد میں ۱۳۶۱ھ میں فتح ہوا جو بعد میں ان کی حکومت کا صدر مقام بھی رہا۔ E.S.Creasy اس شہر کے بارے میں لکھتا ہے:

> Murad-I, the son of Orhan and grandson of Uthman-I captured in 1361, the great city of Adrianople (Edirne), which thereforth became the capital of the Ottoman dominions in Europe, untill Constantinople fell before Muhammad-II.[11]

M. Sukru Hanioglu نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

> In the ensuing war, the Ottoman armies met with the most humiliating defeats resulting lost of all European Turkey except three cities Scutari, Janina and Edrine. Ottoman appeals for Great Power intervention. The great powers focused on foreting a ceasefire and also held a conference to discuss the future of Balkans. This whole procedure consistsed of two parts. In first Ottoman and Balkan delegates met to discuss the future of European Turkey. At the second the ambassadors of the Great Powers debated a general settlement on the Balkans. All the while, Edirne, a city that had served as the capital of the empire before the conquest of Constantinople, remained under siege. Besides of all their efforts to relieve the siege of Edirne the city fell on March 26, 1913. Defying the warning of the Great Powers, the Ottoman army marched on Edirne, recapturing the city on July 22.[12]

نظم ''محاصرہ ادرنہ'' میں اقبال نے ترکوں کی سیرت کا ایک روشن پہلو دنیا کے سامنے پیش کیا کہ ترکوں

میں اسلامی احکامات کی اطاعت کا جزبہ اپنی انتہا پر تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب باطل پرست بلقانی ریاستیں بلغاریہ، سرویہ، رومانیہ اور یونان ترکی کے خلاف صف آراء ہوگئیں تو ترک مجبور ہو کر ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ جنرل شکری پاشا، بلغاریہ، سرویہ اور مانٹی نیگرو کی متحدہ یورش کا مقابلہ کرنے کے لئے ایڈریانوپل کے محاذ کا سپہ سالار تھا۔ جب ترک افواج دشمن کے حملے کی تاب نہ لاسکیں تو شکری پاشا قلعہ بند ہوگیا اور دشمن نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ سپہ سالار نے پانچ ماہ تک بڑی ہمت سے مدافعت کی لیکن مجبور ہو کر فروری ۱۹۱۳ء میں ہتھیار ڈال دیے۔ سامان جنگ آنے کی کوئی اُمید نہ تھی اور آئین جنگ یعنی مارشل لاء جاری ہوگیا۔ حالات اس قدر خراب ہوگئے کہ ترک افواج کے پاس کھانے کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ ترکی سپہ سالار نے مجبور ہو کر شہر کے باشندوں کے سامان پر قبضہ کرلیا لیکن فقیہ شہر نے فتویٰ دیا کہ ذمی کا مال مسلمانوں کے لشکر پر حرام ہے۔ چنانچہ فوج نے بھوک برداشت کی اور غیر مسلموں کے سامانِ خورونوش کو واپس کردیا۔

ان کی شریعت کی پاسداری کا اظہار کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہوگیا[۱۳]

''غرۂ شوال'' یا ''ہلال عید'' علامہ اقبالؒ کی معرکہ آرا نظموں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے یہ نظم اس زمانہ میں لکھی تھی جب دنیائے اسلام خصوصاً ترکی اور ایران پر چاروں طرف سے مصائب کی گھٹائیں چھارہی تھیں۔ علامہ اقبال نے یہ نظم ۱۹۱۲ء کے آغاز میں لکھی تھی اور ۱۹۲۴ء میں ترکوں نے خلافت کی قبا چاک کی۔ علامہ اقبال نے بارہ برس پہلے اس واقعہ کا ذکر کیا جو اقبال کی سیاسی بصیرت کی دلیل ہے۔ انھوں نے ترکی کے داخلی حالات کو مطالعہ کر کے یہ پیش گوئی کی تھی جو ۱۹۲۴ء میں پوری ہوگئی۔ یہ نظم اس بات کا اظہار ہے کہ ترکوں کے دورِ انحطاط کی سلسلہ وار کڑیاں اقبال کے سامنے (۱۸۹۷ء تا ۱۹۱۲ء) تھیں۔ کیونکہ اقوام یورپ کے دماغ میں یہ خیال جاگزیں ہوگیا تھا کہ جب تک سلطانِ روم کے نام کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کا لقب وابستہ ہے، اس کی مرکزی حیثیت ختم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے یہ قومیں، ترکی کے خلاف رات دن، ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتی تھیں۔ انہی دشمنانِ ملت کے ایما پر ۱۸۹۷ء میں یونان نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور جب ترکوں نے اس پر کارروائی کی تو روس، فرانس اور برطانیہ تینوں نے ترکی کو الٹی میٹم دے دیا کہ یونان خالی کردو ورنہ ہم سے لڑنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کردیا اور ۱۹۱۲ء میں بلغاریہ نے بھی اعلان جنگ کردیا۔ اس کے علاوہ ترکوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوچکی تھی جو یہ چاہتی تھی کہ ترکی، خلافت سے دست بردار ہوجائے۔ غرض کہ ترکی داخلی اور خارجی فتنوں کا شکار ہوگیا۔ ترکوں کی اس زبوں حالی اور ان کی حکومت کے زوال پر اقبال کی کیفیتِ قلبی کا اندازہ ان اشعار سے کیا جاسکتا ہے:

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ [۱۴]

۱۹۱۱ء کا سال دنیائے اسلام کے لئے بہت ہی پُر آشوب تھا۔ نہ صرف علامہ محمد اقبال بلکہ دوسرے شعراء نے بھی اس پر اشک فشانی کی ہے۔ علامہ شبلی اسی ضمن میں کہتے ہیں:

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جاں کب تک [۱۵]

علامہ اقبال زبوں حالی کی شکار اس اُمت مسلمہ سے بیزار نہیں ہوتے بلکہ قوم کو آنے والے روشن کل کی نوید سناتے ہیں جس کا اظہار ان کی نظم ''شمع اور شاعر'' میں بھی کیا گیا ہے:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے [۱۶]

علامہ اقبال کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ آنے والے وقتوں میں خلافت کا نظام پھر سے رائج ہوگا۔ مسلمانوں کو پھر سے عروج حاصل ہوگا۔ اقبال کا یقین تھا کہ مسلمان اپنی عظمتِ رفتہ پھر سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اقبال زوالِ خلافت عثمانیہ پر ماتم کرنے کے بجائے قوم کو اس کے روشن مستقبل کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا [۱۷]

علامہ اقبال ترکی کے سیاسی ابتلا پر سخت رنجیدہ تھے۔ ان کی بعض معرکہ آرا اور جذباتی نظمیں اسی دور کی تخلیق ہیں۔ خصوصاً ''شکوہ''، ''صقلیہ''، ''فاطمہ بنت عبداللہ''، ''محاصرہ ادرنہ'' اس دور ابتلا و انتشار کی یادگار ہیں۔

ترکی کے بارے میں اقبال کے ردعمل کے دو پہلو تھے۔ ترکی کی تحریکِ آزادی و استقلال کے وہ بہت بڑے حامی رہے اور اسی اعتبار سے تورانی تحریک کے تمام آزادی پسند عناصر اور اتاترک کی ان کے دل میں بڑی وقعت تھی۔ چنانچہ ''طلوع اسلام'' اقبال کے انہی جذبات کی آئینہ دار نظم ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی [۱۸]

ایک دوسری جگہ اُن کا کہنا ہے:

ربود آں ترک شیرازی دل تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا[۱۹]

علامہ اقبال شروع میں اتاترک کے بہت بڑے حامی تھے لیکن ترکی کی آزادی کے بعد جب اس نے خلافت کا نظام ختم کرنے کا اعلان کیا تو اقبال اس سے مایوس ہو گئے۔ اقبال ترکوں کی دینی حمیت سے کبھی مایوس نہیں ہوئے جس کا اظہار مسعود عالم ندوی کے نام ان کے خط سے ہوتا ہے:

ترکوں کے متعلق مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اس کے ایک خدا پرست جرنیل کے الفاظ میں .... یہ الحاد کی ہوا آئی ہے کچھ دن کے بعد نکل جائے گی۔ جو کچھ ہوا جذبۂ وطن پرستی بلکہ توران پرستی کا نتیجہ تھا۔ اب جو عراق، افغانستان، ایران اور ترکی کے معاہدے کی تجویز ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں نے توران پرستی کو بحیثیت ایک پالیسی کے ترک کر دیا ہے۔ حالات اس قسم کے ہیں کہ ترک اسلام کو چھوڑ کر کبھی من حیث القوم سرسبز نہیں ہو سکتے۔ باقی یہ صحیح ہے کہ ان میں افرنگ زدہ لوگ بکثرت ہیں لیکن کیا عجب ہے کہ آئندہ دس سال میں افرنگ زدگی کے سرچشمے ہی کا خاتمہ ہو جائے۔[۲۰]

علامہ اقبال کو ترکوں کی خلافت کے زوال کا افسوس ضرور ہے اور وہ ترکوں کے زوال پر افسردہ ہیں۔ پیام مشرق میں اپنی اضطرابی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آل عثمان در شکنج روزگار
مشرق و مغرب زخونش لالہ زار[۲۱]

علامہ اقبال ترک خلافت کے زوال کی داستان بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان اسباب کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ اندوہناک واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ اقبال ترکوں کے اس زوال کو مغربی سازش کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

سرگزشت آل عثمان را نگر
از فریب غربیاں خونیں جگر[۲۲]

علامہ محمد اقبال ترکوں کے زوال اور اس زوال کے اسباب کو بیان کرنے کے بعد بھی پر امید ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب عثمانی ملت کا پرچم ایک بار پھر سے دوبارہ بلند ہوگا اور ترک اپنی اسی شان و شوکت کے دوبارہ حقدار ہو جائیں گے جو کہ مغرب کی ریشہ دوانیوں کے باعث سے ان سے کھو گئی ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال کے اس شعر سے سمجھا جا سکتا ہے:

درفش ملت عثمانیاں دوبارہ بلند
چہ گویمت کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است[۲۳]

ارمغان حجاز میں اقبال نے ایک پوری نظم عثمانی ترکوں کے نام معنون کی ہے۔ اقبال اس نظم میں ان کی پامردی کی تعریف کرتے ہیں اور مغرب کی عیاری کو سمجھنے پر انہیں خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ شعر ملاحظہ ہو:

خنک مردان کہ سحر او شکستند
بہ پیمان فرنگی دل نبستند[۲۴]

اسی سلسلے میں پیام مشرق کے ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں:

از ما بگو سلامے آں ترک تند خو را
کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را[۲۵]

علامہ محمد اقبال کی شاعری اس بات کی غماز ہے کہ انہوں نے ترکوں کی صرف تعریف ہی نہیں کی بلکہ جہاں جہاں ترکوں کی کوتاہی ان کے زوال کا سبب بنی، وہاں آپ نے واضح الفاظ میں ان کو مخاطب کیا اور اُن کی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ جاوید نامہ میں ان کے زوال کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ترکوں نے اپنی روایات کو بھلا کر مغرب کی تقلید کی ہے جس کی وجہ سے آج انہیں یہ دن دیکھنے پڑے ہیں:

ترک از خود رفتہ و مست فرنگ
زہر نوشیں خوردہ از دست فرنگ[۲۶]

اقبال عظیم ترک راہنما سعید حلیم پاشا کے بہت بڑے مداح تھے اور ان کو اپنے وقت کا پیشوا مانتے تھے۔ سعید حلیم پاشا ''Religious Reform Party'' کے بانی و سربراہ تھے۔ علامہ اقبال اپنی کتاب *The Reconstruction of the Religious Thought in Islam* میں جب اجتہاد پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں تو وہاں ترکی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ترکی میں اس وقت دو مشہور فکری تحریکیں موجود تھیں:

۱- قومی پارٹی (Nationalist Party)

۲- مذہبی اصلاحی پارٹی (Party of Religious Refom)

اقبال چونکہ اسلامی فکر کی تشکیل جدید کے حامی تھے، لہٰذا وہ ان دونوں نظریات کو بیان کرنے کے بعد سعید حلیم پاشا کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

> Such are the views of the Grand Vizier of Turkey. You will see that following a line of thought more in tune with the spirit of Islam, he reaches practically the same conclusion as the Nationalist Party, that is to say, the freedom of *Ijtihad* in a light of modern thought and experience.[27]

سعید حلیم پاشا کو ہی خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

ترک سالار آں حلیم درد مند
فکر او مثل مقام بلند
با چنین مرداں دو رکعت طاعت است
ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است[۲۸]

خلافت عثمانیہ کا زوال ایسے دور میں وقوع پذیر ہوا تھا جب دوسرے مسلم ممالک کی حالت بھی غیر ہو چکی تھی۔ اقبال کے خیال میں اکیلے ترک ہی اس انحطاط میں مبتلا نہیں ہوئے تھے بلکہ ایران وعرب پر بھی اس انحطاط کے اثرات نمایاں تھے۔ یہ دور مسلمانوں کے زوال کا عہد تھا۔ ہر طرف مسلمان مظلوم و مغلوب تھے۔ اقبال اس کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

ترک و ایران و عرب مست فرنگ
ہر کسے را در گلوشست فرنگ[۲۹]

اقبال ترکوں کے رویے پر سخت مضطرب ہیں، جس کا اظہار ان کے مجموعہ ہائے کلام کے بہت سے اشعار سے نمایاں ہے۔ پیام مشرق میں یہ بے کلی ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے:

نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد
ظہور مصطفوی را بہانہ بولہبی است[۳۰]

ارمغان حجاز میں اس اضطراب کا اظہار یوں کرتے ہیں:

چہ خوش زد ترک ملاحے و سرودے
رخ او احمرے ، چشمش کبودے
بدریا گر گرہ افتد بہ کارم
بجز طوفان نمی خواہم کشودے[۳۱]

علامہ محمد اقبال کی ترکوں کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ان کو بار بار یہ باور کرواتے ہیں کہ اگر چہ ان پر کڑا وقت آن پڑا ہے مگر وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ ترکوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہ ترکاں بستہ در ہا را کشادند
بنائے مصریاں محکم نہادند
تو ہم دستے بدامانِ خودی زن
کہ بے او ملک و دیں کس را ندادند[۳۲]

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال عثمانی خلافت کی تباہی پر مرثیہ خواں بھی ہیں، سعید حلیم پاشا کی عظمت کے معترف بھی ہیں تو خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے لیے بپا ہونے والی تحریک خلافت میں اقبال کا کیا کردار ہے۔ اگر تحریک خلافت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اقبال کی سرگرمیاں اس میں نظر نہیں آتیں۔ اس کی چند ایک وجوہات ہیں:

۱۔ اقبال عالمی اسلامی خلافت کے لازمی وجوب کی بجائے خلافت کے نظریۂ ضرورت کے قائل ہیں اور اس سلسلے میں وہ سعید حلیم پاشا کے خیالات کی حمایت کرتے ہیں۔[۳۳]

۲۔ اقبال ابتداء میں تحریک خلافت سے وابستہ ہوئے لیکن پھر اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ جس کی درج ذیل وجوہ تھیں:

(الف) اقبال کی نظر میں تحریکِ خلافت کا قیام ہی مشکوک تھا۔[۳۴]

(ب) تحریکِ خلافت میں مسلم تشخص کے تحفظ کے بجائے گاندھی کی شخصیت نمائی نمایاں حیثیت اختیار کر گئی تھی۔[۳۵]

(ج) اقبال کی نظر میں جس طرح تحریک خلافت چلائی جا رہی تھی یہ مسلم مفاد کی بجائے مسلم دشمنی کی طرف بڑھ رہی تھی اور بالآخر یہ مسلم مفادات کو سبوتاژ کرنے پر منتج ہوگئی۔[۳۶]

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر اقبال اس تحریک میں زیادہ متحرک نظر نہیں آتے۔

ترک خلافت کے خاتمے کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا ترکی کے پہلے صدر نامزد ہوئے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے زمامِ اقتدار سنبھالتے ہی بہت ساری اصلاحات کیں۔ ان میں سے کثیر اصلاحات ایسی تھیں جن میں مغربی رنگ و فکر کی آمیزش تھی۔ نتیجتاً ترکی اپنے قدیم تہذیبی ورثے سے محروم ہوتا گیا۔ اقبال جن کے دل میں ترکوں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ اس پر بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کے ساتھیوں کی کج فہمی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اور باقی مسلم امہ کو عبرت دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

خرد را با دل خود ہمسفر کن
یکے بر ملت ترکاں نظر کن
بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند
میان ملک و دیں ربطے ندیدند[۳۷]

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی بدولت شکست فاش ہوئی۔ چنانچہ ۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو انہوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور انگریز کی دلی تمنا پوری ہوگئی۔ انگلستان کے وزیر اعظم نے جب جنرل ایلنبی فاتح فلسطین کے سینہ پر تمغہ سجایا تو اس کی فتح کو ہلال پر صلیب کی فتح قرار دیا اور کہا کہ سلطان

صلاح الدین کے ہاتھوں جو شکست ہمیں ہوئی تھی، اس کا انتقام اب ہم نے لیا ہے۔

انگریزوں نے ہندوستانی مسلمان کے ساتھ جو جھوٹے وعدے کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو، ترکی کی سالمیت برقرار رکھی جائے گی یعنی اس کے حصے بخرے نہیں کیے جائیں گے۔ لیکن جب دشمنانِ اسلام کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوگئی تو انھوں نے شرافت اور انسانیت ہر چیز کو بالائے طاق رکھ کر ترکی کے خاتمہ کا فیصلہ کر لیا اور ۱۹۱۹ء سے اس پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا۔ جب ہندی مسلمانوں نے دیکھا کہ سلطنت ترکی صفحۂ ہستی سے نابود ہونے والی ہے تو پشاور سے لے کر مدراس تک اور کراچی سے لے کر ڈھاکہ تک سارے ہندوستان میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔

مسلمانوں نے سارے ملک میں جلسے منعقد کر کے اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور اُن میں انگریزوں کو ترکوں کی سابقہ ''حماقتوں'' کا واسطہ دیا مثلاً

۱۔ ۱۷۹۹ء میں سلطنت ترکی نے سلطان ٹیپو کی امداد کرنے کے بجائے سلطنت برطانیہ کی امداد کی تھی اور سلطان شہید کو بھی غلامی قبول کر لینے کا مشورہ دیا تھا۔[۳۸]

۲۔ ۱۸۵۵ء میں کریمیا (روس) کی جنگ میں ترک اور انگریز دونوں دوش بدوش لڑے تھے۔[۳۹]

۳۔ ۱۸۵۷ء میں ترکوں نے انگریزوں کو اجازت دی تھی کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کا بسرعت تمام قلع قمع کرنے کے لئے اپنی فوجیں مصر کے راستے سے ہندوستان پہنچا سکتے ہیں۔[۴۰]

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا اور اس میں یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۲۰ء میں انگلستان کو ایک وفد روانہ کیا جائے جو حکومت برطانیہ سے درخواست کرے کہ خلافت کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ وفد آٹھ مہینے انگلستان رہا لیکن کسی حکومتی رکن نے اس سے ملاقات نہ کی۔ یہ وفد ۶۵ ہزار روپیہ ضائع کرنے کے بعد ناکام و نامراد واپس آیا تھا۔ اقبال نے اس کاوش کو خلافت کی بھیک قرار دیا اور اپنے اضطراب کا اظہار نظم ''دریوزہ خلافت'' کی صورت میں کیا۔ علامہ اقبال نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا کہ حکومتِ برطانیہ زوالِ خلافت کی سب سے زیادہ آرزومند ہے اور اس تمام فتنہ کے پیچھے اس کا ہاتھ ہے، وہ بھلا کب ارکان وفد کی باتوں پر غور کرے گی، اس لیے انھوں نے یہ بلیغ نظم سپردِ قلم کی۔ اس نظم میں اقبال مسلمانوں کے خلافت کے بچاؤ کی بھیک مانگنے پر سخت برہم ہیں اور بار بار اس بات کو دہراتے ہیں کہ حکومت یا سلطنت مانگنے سے نہیں ملتی۔ پھر یہ کہ ایک مسلمان یہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ وہ اس طرز کی بھیک میں ملی ہوئی سلطنت کو قبول کرے۔ یہ حکومت جو کہ ظاہراً تو آزاد نظر آتی ہے اصل میں غلامی کی دلفریب شکل ہے۔ اقبال کے اس اضطراب کی انتہائی کیفیت نظم کے اس آخری شعر سے ہویدا ہے:

مرا از شکستن چنیں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی [۴۱]

اقبال اس وفد کے انگلستان جانے کے حق میں نہیں تھے۔[۴۲] اس وفد کے ساتھ انگریزوں کے سلوک سے محسوس ہوتا ہے انگریز واضح کرنا چاہتے تھے کہ

(الف) دنیا اب ان کی مرضی کے تابع ہے

(ب) مسلمانوں کا احتجاج ان کے سامنے بے معنی ہے

(ج) مفلوک الحال مسلمانوں کی عزتِ نفس مزید مجروح کرنا۔ کیونکہ اقوام جب احساس کمتری کا شکار ہو جائیں تو وہ جہد و عمل کی صلاحیتیں کھو بیٹھتی ہیں۔

(د) مسلمانانِ برصغیر پر واضح کرنا کہ وہ ان کی نظر میں ایک رعایا سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں اور وہ ان سے جیسا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں۔

کلام اقبال سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اقبال ترکوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی نشیب و فراز پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ ترکوں کی اچھی باتوں اور روایات کے قدر دان اور غلط پالیسیوں کے نقاد تھے۔ اقبالؒ اہم معاصر ترک راہنماؤں سے واقف اور ان کی فکر سے آگاہ ہیں۔ اقبال کی شاعری میں جہاں ترکوں کی زوال کا ماتم ہے، وہیں ان کی عظمتِ رفتہ کا اظہار اور روشن مستقبل کی امید بھی ہے۔ اقبال ترکوں کا ذکر باقی امت کے لیے عبرت و نصیحت کے طور پر بھی کرتے ہیں اور ملتِ بیضا کو مغربی سازشوں سے خبردار کرتے ہیں۔ اقبال کا تحریک خلافت کا حصہ نہ بننے کا سبب خلافت کمیٹی کے اپنے اندرونی معاملات تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اقبال کو خلافتِ عثمانیہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ گویا کلام اقبال اس زوال پذیر قوم کے حالات کا بہترین عکاس ہے اور اقبال کی دلی کیفیات کا اس میں اظہار بھی ہے۔

❁…❁…❁

حوالہ جات وحواشی

۱- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، علامہ، مترجم: مولانا راغب رحمانی، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص۲۹۱۔
۲- علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۳۰۰۔
۳- ایضاً، ص۵۴۸۔
۴- ایضاً، ص۲۹۵۔
۵- ایضاً، ص۲۹۴۔
۶- ایضاً۔
۷- ایضاً۔
۸- ایضاً۔
۹- ایضاً، ص۲۹۵۔
۱۰- ایضاً۔
11- E. S. Creasy, *History of the Ottoman Turks*, S. M. Mir Publishers, Karachi, 1980, Vol.1, p.35.
12- M. Sukru Hanioglu, *A Brief History of the Late Ottoman Empire*, Princeton, University Press, 2008, pp. 171-173.
۱۳- علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص۲۴۶۔
۱۴- ایضاً، ص۲۰۹۔
۱۵- ظہور الحسن موسوی، مجموعہ نظم شبلی اردو مع سوانح عمری، مہتاب پریس، دہلی، ص۲۷۔
۱۶- علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص۲۲۲۔
۱۷- ایضاً، ص۲۹۸۔
۱۸- ایضاً، ص۲۹۷۔
۱۹- ایضاً، ص۲۹۸۔
۲۰- عقیل، معین الدین، ڈاکٹر، اقبال اور جدید دنیائے اسلام، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص۲۴۰۔
۲۱- علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی)، نقوش پریس، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۲۰۰۔
۲۲- ایضاً، ص۲۴۷۔
۲۳- ایضاً، ص۷۳۵۔
۲۴- ایضاً، ص۸۲۸۔
۲۵- ایضاً، ص۲۹۹۔
۲۶- ایضاً، ص۶۴۹۔
27- Allama Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of the Religious Thought in Islam*, Oxford University Press, 1934, p.67.

۲۸- علامہ اقبال، کلیات اقبال (فارسی)،ص ۵۳۳۔

۲۹- ایضاً،ص ۵۳۴۔

۳۰- ایضاً،ص ۳۰۶۔

۳۱- ایضاً،ص ۸۲۱۔

۳۲- ایضاً،ص ۸۱۳۔

۳۳- لطیف احمد شیروانی، حرف اقبال، المنار اکادمی، لاہور، ۱۹۴۷ء،ص ۱۵۱-۱۵۳۔

۳۴- اقبال نے اپنے اس استعفیٰ کے بارے میں نیاز الدین خان کو لکھا:

"۔۔۔میں نے خلافت کمیٹی سے استعفیٰ کیوں دیا ہے۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا۔ اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔" (مکاتیب اقبال بنام محمد نیاز الدین خان، صفحہ ۲۷؛ بحوالہ جاوید اقبال، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۱، صفحہ ۲۴۹)

۳۵۔ چند ہی دنوں میں مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن کے اور مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔

۳۶۔ تحریک خلافت کے نتیجے میں تحریک عدم تعاون اور تحریک ترک موالات وجود میں آئی جس سے مسلمانان برصغیر مفلوک الحال ہو گئے جبکہ ہندوؤں نے اس میں کسی بھی طرح کے نقصان کی بجائے فوائد ہی سمیٹے۔ گاندھی نے معمولی واقعہ کو بنیاد بنا کر تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا دوسری طرف خود ترکوں نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

۳۷۔ ایضاً،ص ۴۳۹۔

38- With this object he sent an embassy, which was instructed, after sounding the views of the sublime porte, to repair to France to secure the co-operation, of that Government. But the reception which his envoys met with at Constantinop[le], where Tipu's name had probably never been heard of, so unfavourable that they returned in rage. (Bowing, Lewin B., *Haider Ali and Tipu Sultan*, New Delhi, S. Chand & Co. 1969, p. 137).

39- The war arose from the conflict of great powers in the Near East and was more direcly caused by Russian demands to exercise protection over the orthodox subjects of the Ottoman sultan and by a dispute between Russia and France over the privileges of Russian Orthodox and Roman Catholic monks in the holy places in Palestine. Supported by Britian, the Turks took a firm stand against the Russians, who occupied the Danubian principalities on the Russo-Turkish border in July 1853... British and French fleets entered the Black Sea on Jan. 3, 1854 to protect Turkish Transports. (The New Encyclopaedia Britanica, Micropaedia, Vol. III, 15th ed. London, Encyclopaedia Britanica Inc., William Benton Publishers, 1943-1973, pp. 242-243)

40- The march across the Suez Desert, from the lake of St. Pilgrims, near Grand Cairo of Suez, was performed in four days with the greatest ease, marching by night and encamping the day. In June the ships proceeded to India...Thay made a very quick passage. (Frederick Engles, "Transport of Troops to India" in the New York Tribune, Friday, August 13, 1858).

۴۱۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۸۱۔

۴۲۔ ’’بات دراصل یہ تھی کہ حکومت برطانیہ اپنی اغراض کے حصول کی خاطر خلافت وفد کو لندن بلوانا چاہتی تھی اور اس مقصد کے لیے آغا خان کو استعمال کر رہی تھی۔‘‘ (جاوید اقبال، زندہ رود، صفحہ ۲۴۶)